غالب کے بہترین



(اہل نظر کی نظر میں)

پیش لفظ

غالب کا دیوان خود ہی انتخاب بلکہ انتخاب در انتخاب کا نتیجہ ہے۔ اس سے صرف پانچ شعر انتخاب کرنا آسان نہیں ہے۔ علاوہ بریں ہر شعر انسانی زندگی کے خاص حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خود غالب اپنے اشعار کی تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

(ع) ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔

لہٰذا انتخاب اشعار علاوہ شعر کی خوبی کے ان رجحانات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جو انتخاب کرنے والے کے ذوق کی رہنمائی کرتے ہیں۔ خود غالب نے اپنے ذوق کے تقاضے کے تحت لکھا ہے ؎ فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ

بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است

لیکن جیسا کہ اس انتخاب سے ثابت ہوتا ہے اہل نظر کو غالب سے اختلاف ہے اور صرف چند حضرات نے فارسی دیوان سے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ اردو دیوان زیادہ مقبول ہے اور اردو میں بھی اُن اشعار کو زیادہ پسند کیا گیا ہے جو ندرت تخیل کے لحاظ سے بھی اس قابل ہیں۔ نیز انتخاب کرنے والے کے رجحانات سے بھی مطابقت رکھتے ہیں غالب نے انتخاب اشعار کے بارے میں بالکل صحیح فرمایا ہے ؎

ع کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اس انتخاب سے یہ نظریہ رد ہو جاتا ہے کہ سادگی و سلاست سے ہی شاعری قبول عام حاصل کرتی ہے کیونکہ نظر انتخاب زیادہ تران اشعار پر پڑی ہے جن میں مضمون آفرینی ہے یا کوئی فلسفیانہ خیال ہے۔ مثلاً ان دو شعروں کو متعدد حضرات نے منتخب کیا ہے۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا،

پانچ اشعار کے انتخاب کی تجویز ادبی و تاریخی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے۔ غالب کے مختصر دیوان میں انسانی زندگی کے اکثر مسائل پر بحث ہے۔ ہر زمانہ کے لوگ اپنے مخصوص حالات کی روشنی میں مطالعہ کریں گے۔ پیش نظر انتخاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور حاضر کے ادیب بازار شعر میں کس جنس گرانمایہ کے متلاشی ہیں۔

فطرت انسانی کے راز جن اشعار میں بے نقاب کئے گئے ہیں وہ عموماً انتخاب میں آئے ہیں۔ منتخب اشعار پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیے تو ان سے غالب کا کوئی خاص فلسفہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ متضاد نظریات زندگی ان اشعار کی بنیاد پر پیش کئے جا سکتے

ہیں اور اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب کے اشعار میں فطرت کے جو نقوش ہیں ان میں تنوع ہے اور ہر انسان اپنے ذوق کی تسکین کا سامان ان میں پا سکتا ہے۔ لیکن منتخب اشعار کی نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رنج و غم، بے ثباتی عالم، اور یاس و نامرادی جن اشعار میں نمایاں ہے وہ زیادہ ہیں اور جن میں مسرت و اطمینان کی جھلک ہے وہ کم ہیں۔ اس سے خواہ آپ یہ نتیجہ نکال لیجئے کہ غالب نے فلسفۂ غم کے اشعار دلی جذبات کے ساتھ لکھے ہیں اس لئے شاعری کا بہتر نمونہ ہیں یا پھر یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ کہ فضا پر قنوطیت چھائی ہوئی ہے اس لئے انتخاب کرنے والوں نے ماحول سے متاثر ہو کر ایسے اشعار کو نظر انداز کیا ہے جو فلسفۂ مسرت کے حامل ہوں۔ •

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ نظرِ انتخاب زیادہ تر غزلیات پر پڑی ہے قصائد، قطعات، رباعیات وغیرہ سے صرف معدودے چند اشعار منتخب ہوئے ہیں۔

خادم ادب

علی بہادر خاں
نائب صدر، انجمن ترقی اردو (شاخ دہلی)

میرزا اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالبؔ (دہلوی)

(ولادت ۸۔ رجب ۱۲۱۲ھ مادہ تاریخ غریب)

(وفات ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء ۔ مادہ تاریخ آہ غالب بمرد)

شاہجہان آباد کے نہایت بلند پایہ فارسی شاعر اور مفکر تھے۔ حتیٰ کہ سخنوران پارس بھی ان کا لوہا مانتے تھے۔ قاطع برہان اور ساطع برہان ان کی قادر الکلامی پر دال ہیں مہر نیم روز اور دستنبو ان کی مشہور زمانہ تصانیف ہیں۔ ان کے بیس ہزار چار سو چوبیس فارسی اشعار موجود ہیں۔ فارسی میں رشک عرفی و ظہوری تھے۔ بلکہ زبان کی پاکیزگی میں فردوسی کے ہم پلہ تھے خود اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے" اس لئے ان کے فارسی کے کلام میں فردوسی کی طرح عربی الفاظ بہت ہی کم نظر آتے ہیں

شو غالب نبود دی نہ گوئیم و لے

تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامی نیست

اردو کا مختصر دیوان ہے جس کا انہوں نے خود انتخاب کیا تھا۔ انقلاب دہلی (۱۸۵۷) کے بعد انہوں نے مکتوبات کے سلسلے میں بے مثل نثر نگاری کی ہر مکتوبات کا ایک مجموعہ "عود ہندی" ان کی زندگی میں چھپ گیا تھا۔ دوسرا مجموعہ اردوئے معلےٰ کے نام سے ان کی وفات کے بعد چھپا ہے ان خطوط میں ہندوستانی

سوسائٹی کا مرثیہ ہر جملہ سے عیاں ہے۔

ان کی عمر تیرہ سال کی تھی کہ شادی کر دی گئی جسے وہ خانہ بربادی ہی سمجھتے رہے "آزادہ رو" اور "صلح کل" مشرب رکھتے تھے، جس دورِ انحطاط میں اُن کی زندگی گئی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ فرمائیں۔

دل مرا سوزِ دروں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

اس مجموعہ میں جن حضرات نے غالبؔ کے پانچ پانچ شعر منتخب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے اُن کی غالب نوازی کے کیلیے ہم تہہِ دل سے ممنون ہیں۔

دہلی ۲۰ / فروری ۱۹۵۳ء

اراکین انجمن ترقی اردو
(شاخ دہلی)

مولانا ابوالکلام آزاد (حسب ذیل اشعار مختلف اوقات میں حاصل ہوئے)

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں (غبار خاطر ۳۱)

شوریدگی میں ہاتھ سے سر ہے وبال دوش — صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

تردامنی پہ شیخ ہمارے نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر پہ ہجوم درد غریبی سے ڈالیے — وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں — گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

مصرع ؎ مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا۔

نقصاں نہیں جنوں میں، بلا سے ہو گھر خراب — دو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

مولانا ابوالکلام آزاد (صفحہ ۷ کا سلسلہ)

عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے
ہوسِ گُل کا تصوّر میں بھی کھٹکا نہ رہا

ع اُڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا

کہ زندگانی عبادت ہے تیری جینے سے
مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے

مصرع۔ زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا۔

ہاں کچھ اک رنج گرانباری زنجیر بھی تھا
قید میں بھی ترے وحشی کو رہی زلف کی یاد

گھر میں کیا تھا جو ترا غم اسے ویراں کرتا
وہ جو ہم رکھتے تھے اک حسرت تعمیر سو ہے

(در جلسۂ عام لاہور ۱۹۴۳ء)

غلام رسول مہر

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلا است
قعرِ دریا سلسبیل و روے دریا آتش است

نشاطِ جم طلب از آسماں نہ شوکتِ جم
قدح مباش ز یاقوت بادہ گر عنبی است

بہ راہ کعبہ زادم نیست شادم کز سبک باری
برفتن پائے بر خارِ مغیلانم نمی آید

اندر آں روز کہ پرسش رود از ہر چہ گزشت
کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند

ہفت دوزخ در نہادِ شرمساری مضمر است
انتقام است ایں کہ با مجرم مدارا کردۂ

غلام رسول مہر

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

سالک

سراپا رہنِ عشق و ناگزیر الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

عجز و نیاز سے تو وہ آیا نہ راہ پر
دامن کو آج اس کے حریفانہ کھینچیے

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کیلئے

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں کوئی ڈال دو جا کر بہشت کو

اجمل خاں

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں
گویا جبیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دردِ تہہ جام بہت ہے

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

مجھ تک کب اس کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

گوپی ناتھ امنؔ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھکو زباں اور

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

پنڈت سندر لال

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ کا اٹھا ظالم
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

وفاداری بہ شرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ سے ہی نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

جگن ناتھ آزاد

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
رندوں کو ایک نگہ میں رضامند کر گئی

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

علی بہادر خاں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو!
جو مے نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

حمیدہ سلطانہ

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی کیوں ترا راہگذر یاد آیا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا!

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

محمد اجمل خاں

ودا ع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخ مے لالہ فام چیست؟

ظالم تو و شکایت عشق! ایں چہ ماجراست؟
بارے بمن بگو کہ دلت دادخواہ کیست

آں راز کہ در سینہ نہان است، نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

تغافلہائے یارم زندہ دارد، ورنہ در بزمش
بجرم گریۂ بے اختیارم میتواں کشتن

علی بہادر خاں

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم

زیست بے ذوقِ مرگ خوش نبود
دل اگر رفت جاں نمی خواہم

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم
کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم

ندارم تابِ ضبطِ راز دمی ترسم ز رسوائی
مگر جویم ز بہر ہمزبانی بیزبانے را

در ہیچ نسخہ معنیٔ لفظِ امید نیست
فرہنگنامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم

ظ انصاری

میں ہوں اور آفت کا ٹکڑا یہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیر الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں، ہو تو کیوں کر ہو

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

بشیشور ناتھ منور

ہیں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

آنند موہن زتشی گلزار دہلوی

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا

کل کے لئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

دیکھو کس طرح سے دشمن سے نباہی اُس نے
نہ سہی مجھ سے مگر اس بُت میں وفا ہے تو سہی

محابا کیا ہے میں ضامن اِدھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا!

رشک کہتا ہے کہ اُن کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

امین الدین خاں (نواب لوہارو)

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار گر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم ... میں
نے وہ سرود و شور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے



سید فرید جعفری

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
کہ ترا وقت سفر ۔۔۔۔ یاد آیا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں ہوں

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگاہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

روشن صدیقی

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال ۔۔۔ کہاں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

برج لال رعنا جگی

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

عزیز وارثی

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

پنڈت ہری چند اختر

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچیے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
اِمتحاں اور بھی باقی ہیں تو یہ بھی نہ سہی

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

چمن میں مجھ سے رودادِ قفس کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

ظفر ادیب

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گل نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

تھی وہ اک شخص کے تصوّر سے   اب وہ رعنائیٔ خیال کہاں

تجھ سے تو کچھ کام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

رخسارِ یار کی جو ہوئی جلوہ گستری   زلفِ سیاہ بھی شبِ مہتاب ہوگئی

کیا فرض ہے، کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں، کوہِ طور کی

آفاق دہلوی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مِٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھِسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

جی۔ پی۔ کپور

مہرباں ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی (در شان غالب)

ہر کہ دارد نگہے ہست نثارِ غالب — گشت زنگارِ فلک آئینہ دارِ غالب

قدسیاں اند چو طاؤس بسیرش در رقص — می سزد لوح زمرد بمزارِ غالب

نیم ناسودہ از شامم سحر اندر سحر دارم — حیات تازہ می جویم اگرچہ فرق بردارم

منور می کنم سیراب از خونم جہانے را — مزارِ غالب زور آفریں را در نظر دارم

می خورم بادۂ الہام زجام غالب — کام من سلسلہ جنبانست رکام غالب

دہنم زار زروے فیض کشادہ بہم — بارش جلوۂ معنی است کلام غالب

حافظ علی بہادر خاں نے دہلی پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر انجمن ترقی اردو (شاخ دہلی) سے شائع کیا۔